بلوچستان میں برطانوی نوآبادکار اور بلوچی مزاحمتی شاعری

زینت ثناء

تاریخِ بلوچستان کے ایک تحقیقی جائزے میں خوانین قلات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا عہد میر احمد خان اول سے میر محبت خان تک ہے جب احمد زئی خوانین اپنی حکومت مستحکم کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔

دوسرا عہد عروج کا ہے جس میں صرف نصیر خان اعظم کا عہد شامل ہے۔ تیسرا عہد انحطاط کا ہے جس میں میر محمود خان اول سے لیکر میر احمد خان تک کے تمام خوانین شامل ہیں۔ اس عہد کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلا دور جو صرف دو حکمرانوں میر محمود اور میر محراب خان شہید عہد حکومت پر مشتمل ہے۔ یہ آزاد حکمرانی کا دور ہے اور تیسرا عہد جوشہاہنواز خان سے میر احمد یار خان کے عہد پر مشتمل ہے۔ یہ آزاد حکمرانی کا دور ہے اور تیسرا عہد جوشاہنواز خان سے میر احمد یار خان کے عہد پر مشتمل ہے یہ دور برطانوی مداخلت کا دور ۱۸۳۹ء سے ۱۹۲۵ء تک کا ہے۔ [۱]

بلوچستان پر بیرونی حملہ آوروں کے حملوں کے خلاف مدافعتی لڑائیوں نے بلوچوں میں مزاحمتی ادب کو جنم دیا۔ یہ مزاحمتی ادب تمام کا تمام شاعری میں موجود ہے۔ برطانوی سامراج نے بلوچستان پر حملوں کا آغاز کیا تو بلوچستان برصغیر کا آخری علاقہ تھا جو انگریزوں کے زیر تسلط آ گیا تھا۔ برصغیر کے دیگر علاقوں کی طرح اہل بلوچستان نے آزادی کے حصول کی خاطر بڑی جدو جہد کی۔ اس جدو جہد میں شاعروں نے بھی اپنا کردار ادا کیا اور اپنی شاعری کے ذریعے عوام کو اُبھارا اور انگریز کے خلاف مشترکہ جدو جہد آزادی کی راہ ہموار کی۔ اس طرح برطانوی سامراج اپنا تسلط بلوچستان پر قائم نہ رکھ سکی [۲]۔ انگریز کے خلاف فوجی حملوں اور مختلف بلوچ علاقوں میں اس کی مزاحمت کے بارے میں بلوچی زبان کی بعض نظموں کو اُردو ترجمے کیساتھ پیش کیا جائے گا یہ شاعری سے زیادہ اپنے دور کی تاریخ ہے۔ اگر اِن نظموں کو یکجا کیا جائے تو اک موٹی کتاب ترتیب دی جاسکتی ہے لیکن اس دور کی شاعری کی اصناف پر طائرانہ نگاہ ڈالنا

بہت ضروری ہے۔

اس عشرے میں جو اشعار کہے گئے ہیں ان میں فارسی، اردو، سندھی اور سرائیکی کی آمیزش ہونے لگی۔ کیونکہ بلوچستان میں فارسی کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں بلوچستان میں فارسی کی پہلی شاعرہ رابعہ خضداری تھیں جو کہ رودکی کی ہم عصر تھیں۔ بلوچ شعراء فارسی آمیز زبان کو شاعرانہ کمال، معراج سخن اور دانش وحکمت کا مظہر سمجھتے تھے۔ بلوچی کے کئی ایسے شاعر جو فارسی میں شعر کہتے تھے۔ خان محراب خان کی شہادت سے متعلق اپنی بلوچی نظم میں ملا محمد حسن رئیسانی کہتا ہے:

ترجمہ:۔

پہ شال کوٹ آہستہ و بوت جاہی	شالکوٹ (کوئٹہ) میں آکر مقیم ہوئے
یہاں کتنی کاگد پہ خان راہی	انہوں نے خان کو خط لکھا
کنوں برخیز و بالا شو	اب اٹھو، کھڑے ہو جاؤ۔[۳]

اس دور میں کہے گئے اشعار خالص اور ٹھیٹ بلوچی زبان میں نہیں تھے۔ اس تمام شاعری میں دوسری زبانوں کے اثرات زیادہ تھے۔ لیکن اس شاعری میں ایک بات نمایاں تھی کہ اس دور میں شاعر پڑھے لکھے تھے۔ اس لئے بلوچی میں دوسری زبانوں کی آمیزش کے علاوہ مزاحمتی شاعری میں دوسری بڑی تبدیلی یہ آئی کہ نظم کی براہ راست اور سادہ اشعار سے ابتدا کرنا جو شعرائے متقدمین کا خاصہ تھا۔ اس دور میں ترک ہو چکا تھا اسکی بجائے نظم کی ابتداء حمدیہ اور نعتیہ اشعار سے کی جاتی تھی۔ کیونکہ بلوچی کے زنگی شاہی اور ڈوم شعراء کی بجائے اب پڑھے لکھے بلوچوں اور ملاؤں نے شعر گوئی شروع کی تھی۔ ایک تو زبان آلودہ ہوئی دوسرے شعر کی سلاست وفصاحت میں بھی فرق آ گیا۔ اس بارے میں گل خان نصیر کہتے ہیں:

بعض مشہور ملا شاعروں کے ناموں سے ہم واقف ہیں۔ ملا بوہیر میرواڑی، ملا بہادر داستانی، ملا فاضل رند، ملا قاسم رند، ملا عبدالرحمن میرواڑی، ملا ولی محمد میرواڑی، ملا یار محمد خارانی، ملا عبدالنبی، ملا بہرام، ملا ابراہیم، ملا عبداللہ، ملا نور محمد بمپشتی، ملا رگام دشتی، ملا عومر مری وغیرہ بیسیوں نام گنوائے جاسکتے ہیں جو شاعر ہونے کا دم بھرتے تھے۔ ان میں بعض ملا شاعر بڑے اچھے اور نامور گزرے ہیں لیکن اکثر مداح گو قسم کے زبان دراز ملا تھے، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دور ملاؤں کی شاعری پر محیط نظر آتا ہے۔ ملا لکھے پڑھے اور محتاج لوگ تھے۔ اس لئے بہت آسانی سے انگریز سامراج کا آلہ کار بن سکتے تھے اس کے مقابلے میں زنگی شاہی اور ڈوم شاعری اور گویے پیشہ ور لوگ تھے اس لئے ملا مذہب کا مبلغ ہونے کی وجہ سے زیادہ کارآمد تھا وہ مذہبی رنگ میں کہتا لوگ اسے مان لیتے تھے۔ اس دور میں لوگ سرکار انگلیشیہ میں پرورش پا رہے تھے۔ وہ ڈوم کا گفتہ کہہ کر اس کے اشعار کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مختصر یہ کہ صدیوں کی محنت سے زنگی شائیوں نے جس بلوچی زبان کی پرورش کی اور شاعری کو جو عروج بخشا ملاؤں نے جلب منفعت کے لئے اسے بام عروج سے فرش زمین پر گرادیا۔ یہی سامراج کی منشا تھی اور اسے ملاؤں کے ذریعے اس نے حاصل کرلیا۔[۴]

اس دور میں مزاحمتی شاعری میں ایک تبدیلی یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ اس کے ابتدائی اشعار حمدیہ اور نعتیہ اشعار سے ہونے لگے یہاں تک کہ رحم علی مری جو کہ مزاحمتی شاعری قوم دوست، وطن دوست شاعر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے بھی انگریزوں کے خلاف مریوں کے لئے جو نظم لکھی اس کی ابتداء نعتیہ اشعار سے کی ہے وہ کہتا ہے۔

	ترجمہ:۔
یاالٰہی یاتنوں ستار	یاالٰہی میں تجھے یاد کرتا ہوں تو ستار ہے
کریم و قادر روڈ اثار	تو کریم اور قادر اور دینے والا سخی ہے
حمد و تفادر روجنبار	کس نے تیرا دیدار کیا ہے اور کس کو تیرے مقام اور
مقام دائمی دربار	ابدی دربار کا علم ہے۔[۵]

اسی حوالہ سے میرا مقصد یہ تھا کہ اس دور میں برطانوی سامراج کے بلوچستان پر قدم رکھتے ہی مزاحمتی

شاعری وجود میں آئی۔ حمد یہ اعتبار سے ابتدائیہ مذہب سے رغبت اور مسلمان ہونے کا دعویٰ تھا کیونکہ اس دور میں عیسائی مشنری نے بھی اپنے کام کا آغاز کر لیا تھا۔

اٹھارہ سو عیسوی ۱۸۰۰ء میں انگریزوں نے پہلی بار بلوچستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ ان کا مقصد بلوچستان کو فتح کرنے کے بعد افغانستان پر دھاوا بولنا تھا۔ انڈس آرمی جب پہلی بار درّہ بولان سے افغانستان کی طرف گئی تو بلوچوں نے درّہ بولان میں ان کا قدم قدم پر مقابلہ کیا اس طرح آرمی آف انڈس ہزاروں جانیں کھو کر افغانستان میں وارد ہوئی۔ بلوچی کا مشہور شاعر رحم علی بجارا اپنے اشعار میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

ترجمہ:۔

شتہ جنگی ءَ دی قندھارءَ	(فرنگی) جنگ لڑنے کے ارادے سے قندھار گیا
کتہ شہزادگان نعرا	قندھار کے شہزادوں نے اسے للکارا
دہائی چبو جتہ یارءَ	اور جوتی اس کے منہ پر دے ماری ۔[٦]

جنرل ولشائز قندھار جنگ لڑنے کے ادارادے سے گیا مگر اسے وہاں منہ کی کھانی پڑی اس لئے اس نے اپنا رخ کوئٹہ کی طرف کیا۔ برطانیہ کی طرف سے اسے ہدائت ملی کہ قلات کا رخ کرے اور خان محراب خان پر حملہ کر دے۔ جنرل ولشائر نے حکم کی تکمیل کی۔

بلوچستان میں برطانوی عہد کی تاریخ کا آغاز ۱۳ نومبر ۱۸۳۹ء کی خون آشام دن سے ہوتا ہے جب انگریز قلات پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت کے خان محراب خان اس لڑائی میں شہید ہوئے۔ بلوچ شاعروں نے اس واقع پر متعدد مزاحمتی نظمیں کہی ہیں۔ اس سلسلے میں پہلی مزاحمتی نظم ملا حسن ریئسانی نے کہی ہے۔ یہ نظم بہت لمبی ہے۔ اس کے ۱۰۷ مصرعے ہیں سب سے پہلے نظم میں شاعروں نے انگریزوں کی طرف سے خان قلات کو اپنے پاس حاضر ہونے،

شاہ شجاع کا وفادار و فرمانبردار رہنے کا حلف لینے اور اعلان کرنے کی ہدایت کی۔ جسے میر محراب خان نے یکسر مسترد کر دیا۔[7]

ملا حسن رئیسانی اس واقعہ کو اسطرح سے پیرائے میں نظم کرتا ہے:۔

ترجمہ:۔

حمرا ے شست پر ے تران ءَ	اصل بات یہ تھی کہ
روں ملک خراسان ءَ	وہ ملک خراسان (افغانستان) جا کر
دیاں تخت ءِ شجاول ءَ	شجاع الملک کو تخت پر بٹھا دیں گے
کشانی وژمن ءِ ولّ	اور اس کے دشمنوں کو جڑ سے اکھاڑ دیں گے
پہ شال کوٹ آختہ بوت جاہی	جب ولشائر کوئٹہ آ کر مقیم ہوا
کتی کاغذ پہ خان راہی	اس نے خان کو خط بھیجا
کہ نوں برخیز و بالا شو	کہ ابھی اٹھ کر تیار ہو جاو
پہ پیش شاہ والا شو	اور بادشاہ کے سامنے حاضر ہو جاؤ
بکشتہ شیر نر ہمچوش	شیر نر (محراب خان) نے اس طرح جواب دیا
تو برنس برسرت کن ہوش	اے برنس تم ہوش کے ناخن لو
دگر در پیش من مخروش	مجھ پر یوں رعب مت جماؤ
اژ آں روشے کہ بر تخت ءَ	جس دن سے کہ میں تخت پر
نشتگوں وتی بخت ءَ	اپنے بخت اور اقبال سے بیٹھا ہوں
رسول اللہ گواہ استیں	رسول خدا گواہ ہے۔[8]

ملابوہیر میرواڑی اس واقع کو اس طرح اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں:

انگنت گنجین کلات ءِ با گھچین شہرءِ گوئر ءَ
ما گروں سوائی تخت ءَ کوٹ و برزین حمرءَ
قاصدے ستا نکت جلدی لعینِ کافر ءَ
بیا تہ خان صاحب سلام کن شاہ ءِ پھلین پترءَ
گر نہیائے ماکاؤ گوں فوج و گرانیں لشکرءَ

ترجمہ:۔

جب وہ (انگریز) قلات کے باغوں والے شہر کے قریب آئے تو کہا ہم سیوا کے تخت، قلعہ اور اونچے محل پر قبضہ کرلیں گے تب ان لعینِ کافروں نے بہت جلد ایک قاصد خان کے پاس روانہ کردیا اے خان! آجاؤ اور باشاہ کے گلرنگ فرش پر ان کو سلام کرو اور اگر تم نہیں آؤ گے تو ہم خود بہت بڑی فوج اور لشکر لے کر آئیں گے۔[9]

اشعار:

پرد ماداتگ جواب سلطان سخی ئیں مَرد ورءَ
من ہما احمد زیگان عیب واراں من سرءَ
نے سلامت من کناں ملکہ دیاں ملک ءَ ترا
منتھت نیتیں پہ جنگ ءَ حکم شاھین قادرءَ

ترجمہ:۔

اس سخی اور مردافگن سلطان نے غضبناک ہوکر جواب دیا میں بھی ان احمد زیوں
میں سے ہوں جو دشمن کے سامنے سر جھکانے کو عیب سمجھتے ہیں نہ میں تیرے
سلام کو آؤں گا اور نہ ہی میں اپنا ملک تجھے دوں گا اگر لڑنا ہے تو میں تمہاری منت
نہیں کروں گا جو خدا کا حکم ہے وہی ہوگا۔[۱۰]

خان محراب خان کو انگریزوں کے قلات پر حملے کی تیاریوں کا علم ہوا تو اس نے داروغہ گل محمد اور اپنے بیٹے میر حسن (میر نصیر خان دوئم) کو مینگلوں اور رخشانیوں کی امداد حاصل کرتے نوشکی بھیجا۔ نوشکی سے مینگلوں کا لشکر لیکر نصیر خان اسی دن چھپر پہنچا۔ جس دن میر محراب خان شہید ہوئے اور قلات پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ داروغہ گل محمد کے مشورہ پر نصیر خان چھپر سے واپس نوشکی آیا۔ یہاں سے سردار آزاد خان نوشروانی کے پاس خاران پہنچا۔[۱۱]

ملا یار محمد اس واقعہ کو اپنی نظم میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

گوئشتہ آزاد خان بلوچ ءَ چو پرآ شیرین زبان!
یکبرو ں الیش انت من جہاں ءَ جنگنت مئے گوں کافراں
یا قیوم اللہ مدت بدو دستیگ ءَ یگہمران
دنیا فانی فنا انت عاقبت روچے مران!
محراب خان ءِ نیچ ینت آ تکہ است من ءَ پہ دیدگان

ترجمہ:۔

آزادخان نے میٹھی زبان سے کہا اس دنیا میں میری بس یہی ایک خواہش ہے
کافروں سے جنگ کروں خداوند قوم اپنے پیغمبروں کے طفیل اس جنگ میں
میری مدد کردے یہ دنیا فانی اور فنا ہونے والی ہے آخر ایک دن مجھے بھی مرنا ہے
آج محراب خان کا بیٹا میرے پاس آیا ہے اس کی مدد کرنا مجھے سرآنکھوں پر
منظور ہے۔[۱۲]

ملک دینار میرواڑی نے بھی ایک نظم میں اس مدد اور لڑائی کا نقشہ کھینچا ہے:

سلطان چو سکندر زیبدار
جمشید و ہمایوں اسرار
خان بر دلبرءِ بیتہ سوار
فوج و لشکرءَ کرتہ تیار
مردو مرکباں نیست اشمار!

ترجمہ:۔

سلطان (نصیر خان) جو سکندر کی طرح خوبصورت اور جمشید و ہمایوں کی طرح
صاحبِ بصیرت تھے اپنے دلبر نامی گھوڑے پر سوار ہوئے اپنی فوج اور لشکر کو تیار
کیا۔[۱۳]

انگریزوں اور مری بگٹی قبائل کے درمیان جھڑپوں سے متعلق بھی کافی مزاحمتی نظمیں کہی گئی ہیں۔جب مری

بگٹی قبائل میں انگریزوں کے خلاف کاروائیاں بڑھ گئیں ۔تو سندھ کے حکام نے ان کے خلاف سخت کاروائی کی ۔ انگریزی افواج دونوں قبائل پر حملہ آور ہوئیں ۔ یہ لڑائیاں نفسک Nafsuk ہڑپ اور گمبند کے مقامات پر ہوئی تھیں ۔ نفسک کا درہ کاہان سے دو میل کے فاصلے پر ہے ۔ ہڑپ بی شہر سے شمال مشرق کی طرف مری میں ایک تاریخی شہر ہے ۔ گمبند ضلع کوہلو سے تیس میل کے فاصلے پر ہے ۔ جنگ گمبند کو ایک تاریخی اور عالمگیر حیثیت بھی حاصل ہے کیونکہ یہ جنگ 1914ء تا 1918ء تک لڑی گئی تھی ۔ [۱۴]

علاقہ مری میں ہڑپ اور گمبند کے مقام پر مریوں کی معرکہ آرائی کو رحم علی مری نے اپنی طویل نظموں میں نقشہ کھینچا ہے ۔رحم علی مری حقیقی معنی میں انقلابی اور شعلہ نفس شاعر تھا:

پلنگی آ تکلنت نو ڑ ءَ !
جہازاں نال وگیگ ءَ اتنت
مزاراں تلوار بستنت
مری بازیں کشگ ءَ اتنت
نواداں دوستی ئے ژرتہ
ہڑپ ءَ نو دشلگ ءَ اتنت
ہڑپ ءَ کشگیں مرداں
حضوری حیر ڈھگ ءَ اتنت

ترجمہ:۔

اچانک انگریز "بوڑ" کے مقام پر پہنچے اور ان کے ہوائی جہاز بھی

ساتھ ساتھ اُڑ رہے تھے شیر دل مریوں نے لڑائی کے دوران
''پلو''(قمیض کے دامن کا ایک سرا) کو دوسرے ''پلو'' سے
باندھا تاکہ پسپا نہ ہو چنانچہ بہت سے مری اس حالت میں مارے
گئے۔ان شہیدوں کیلئے ہمدردی کے طور پر بادل اٹھے اور ہڑب
پر تیزی سے برسنے لگے جو ہڑب کی جنگ میں شہید ہوئے۔خدا
کی طرف سے ان پر رحمت ہوئی اور وہ خدائی انعام سے نواز ے
گئے۔[۱۵]

گمبذ مری میں ایک تاریخی مقام ہے۔ جہاں 1918ء میں انگریزوں اور مریوں کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی:

نہ وات وتی پیسوءَ تا ری
خدا روزءَ وات کا ری
ور جنگ ءَ کئے نندی
\ کناں چو کہ جہاں گندی

ترجمہ:۔

انگریزوں کا مال و دولت ہمیں نہیں چاہئے ہمارے لئے
ہمارا معبود اللہ کافی ہے وہ ہمیں مالا مال کردے گا اس
جنگ سے کوئی دور رہ سکتا ہے؟!! ہم انگریزوں کے ساتھ

ایسا کریں گے کہ دنیا ہماری جرأت اور کارناموں کو ہمیشہ یاد رکھے

گی!۔[۱۶]

اڑوندو پر ایک نظم اور نفسک کی لڑائی کی نظم مزاحمت کی تاریخ کو بیان کرتی ہے۔اڑوندو ثانی بگٹی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اس لڑائی میں انگریز فوجی دستے نے معرکہ آرائی کی۔یہ نظم اڑندا پر ایک گمنام شاعرے نے کہی ہے:

ترجمہ:۔

گڑوی چھاٹا تیرانی	گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں
کھشتی تھانجو ہزارانی	جس سے ہزاروں کے گھر اجڑ گئے
ہماں کوہ ءِ مزارانی	ان کوہستانی شیروں نے
کھشتیش جنگ بادشاہانی	بادشاہی پیمانے پر جنگ لڑی
بڑءَ سے صد بلوچ مانیں	میدان کارزار میں تین سو بلوچ عام آئے
شہید نت دین مسلمانیں	ان مسلمانوں کو شہادت نصیب ہوئی
مری و بیدار ستاہانی	خوبیوں والے میری دیدر نے
اڑنڈ و کشتہ نوثانی	اڑندو نوثانی کو مار ڈالا
پلنگاں واشہ بغ چالان	انگریزوں نے دھوکہ دے کر
جھنواڑو و کھشتی تالان	لشکر کو مار کر تتر بتر کر دیا
بہادر جیکم ءِ اڑدان	بہادر جیکب کی فوجوں نے
کھشتی سیاہ آف شیر گرداں	سیاہ آف کو گرد و غبار کے بادلوں

فتح میری بدل گیا	میں ڈھانپ دیا
پکڑ کر قید سب کیا	میری دید رفتح یاب ہوا
نصیحت وارتہ بگٹی ءَ	بگٹیو کو پکڑ کر قیدی بنالیا۔[۱۷]

شاعر کی ایک بہت خوبی یہ ہے کہ اگر انگریزوں کے خلاف مزاحمتی نظمیں کہہ کر اپنے عوام کو ابھارا لیکن دوسری طرف انگریزوں کی بہادری اور جانفشانی کی تعریف کرتے وقت بھی بخل سے کام نہیں لیا۔

ماحصل(Conclusion)

اس دور کی بلوچی شاعری مزاحمتی شاعری پر ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ اس شاعری میں انگریز سامراج کے خلاف اپنے اندرونی تضادات کو بھلا کر اکھٹا کیا اور اتفاق و اتحاد کی بات ہونے لگی۔اس شاعری کے اثرات اس دور کے نوجوان نسل پر اس طرح اثر انداز ہوئے کہ انیسویں صدی کے اوائل میں سیاسی تحریکوں نے جنم لیا۔ جو بعد کے شعراء تھے ان میں قابلِ ذکر یوسف عزیز مگسی (اردو شاعری)، میر گل خان نصیر، محمد حسین عنقا، ملک طوتی، آزاد جمالدینی اور بابو عبدالرحمٰن کرد جنھوں نے اپنے پیش رووٗں کے نقشِ قدم پر چل کر جو شاعری کی اس نے عوامی جذبات کو تحریکِ آزادی کی جانب مائل کیا اور بلوچستان کے عوام نے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر شانہ بشانہ اپنی آزادی کیلئے جدوجہد کی۔

حوالہ جات

۱۔ گل خان نصیر، ھپت ھیکل جنگانی زرراب، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۔

۲۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں فارسی شاعری، سچل سیمینار آرگنائزنگ کمیٹی، ۱۹۸۶ء، ص ۷۔

۳۔ پروفیسر عزیز محمد بگٹی، بلوچی مزاحمتی شاعری، قاسم بک ڈپو آرچر روڈ، کوئٹہ، ۱۹۹۶ء، ص ۴۷۔

۴۔ گل خان نصیر، بلوچی رزمیہ شاعری، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۱۹۷۹ء، ص ۲۰۴۔

۵۔ غوث بخش صابر، *جنگ گنبد* (منظوم ترجمہ)، شوہاز پبلیکیشنز، کوئٹہ، ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۔

۶۔ پروفیسر عزیز محمد بگٹی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۰۹۔

۷۔ پروفیسر محمد اشرف شاہین، *تاریخ بلوچستان ایک تحقیقی جائزہ*، ادارہ تدریس اردو بازار، کوئٹہ، ۱۹۹۳ء۔

۸۔ پروفیسر عزیز محمد بگٹی، بحوالہ سابقہ، ص ص ۴۷۔۴۸۔

۹۔ گل خان نصیر، بحوالہ سابقہ، ص ۲۱۲۔

۱۰۔ *ایضاً*، ص ۲۱۳۔

۱۱۔ گل خان نصیر، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۸۔

۱۲۔ *ایضاً*، ص ۲۳۱۔

۱۳۔ *ایضاً*، ص ص ۲۳۵۔۲۳۶۔

۱۴۔ غوث بخش صابر، بحوالہ سابقہ، ص ۱۴۔

۱۵۔ عبدالرحمٰن غور، *نغمہ کہسار*، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۴۔

۱۶۔ *ایضاً*، ص ۱۳۷۔

۱۷۔ پروفیسر عزیز محمد بگٹی، بحوالہ سابقہ، ص ص ۶۱-۶۲۔